اسلامی کانفرنس تنظیم کے سربراہان مملکت کے آٹھویں اجلاس میں حجت الاسلام سید محمد خاتمی کا افتتاحیہ خطاب

اسلامی کانفرنس تنظیم کے سربراہان مملکت اسلامیہ کا آٹھواں اجلاس تہران میں دسمبر ۱۹۹۸ء کو منعقد ہوا جس میں ۵۴ اسلامی ملکوں کے سربراہوں، حاکموں اور بلند مرتبہ سرکاری نمائندوں نے شرکت کی جس میں اسلامی جمہوریہ ایران کے صدر حجت الاسلام سید محمد خاتمی نے، جو سر دست اس تنظیم کے بھی صدر ہیں، معزز حاضرین سے خطاب فرمایا۔

اپنی افتتاحیہ تقریر میں صدر خاتمی نے دنیائے اسلام کے موجودہ مصائب و آلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "صیہونی حکومت کی نسل پرست، جنگ طلب اور ظالمانہ و جابرانہ خصلت، بین الاقوامی اصول و قوانین کی اعلانیہ پامالی اور حکومتی دہشت گردی ہی علاقائی امن و سلامتی کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے۔" صدر خاتمی نے ملت اسلامیہ کے مصائب و آلام کے مشترکہ حل، جدید عالمی عادلانہ نظام میں اسلامی ممالک کی عملی شرکت اور بین الاقوامی صلح و سلامتی کی تشکیل میں مثبت اور تعمیری کردار کو اسلامی کانفرنس تنظیم کا اہم اور بنیادی مقصد قرار دیا۔ واضح رہے کہ تہران کے حالیہ اجلاس میں ۵۴ اسلامی ممالک کے سربراہوں اور حکمرانوں نے اپنی عملی شرکت کے ذریعہ اس اجلاس کی عظمت کو چار چاند لگادئے۔ ذیل میں حجت الاسلام سید محمد خاتمی کی افتتاحیہ تقریر کا متن پیش کیا جا رہا ہے تاکہ قارئین کرام اس کی اہمیت و افادیت کا اندازہ خود لگا سکیں۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سربراہان عالیقدر!

اسلامی کانفرنس تنظیم کے محترم سکریٹری جنرل!

تنظیم اقوام متحدہ کے محترم سکریٹری جنرل!

ہمارے عزیز مہمانان گرامی قدر!

بہنو اور بھائیو!

اسلامی کانفرنس تنظیم ممبر ممالک کے سربراہوں کے آٹھویں اجلاس میں شرکت کی غرض سے اسلامی دنیا کے مختلف علاقوں سے اپنے وطن دوم یعنی جمہوری اسلامی ایران تشریف لانے والے "آپ سبھی گرانقدر مہمانوں" کا میں خیر مقدم کرتا ہوں اور برادرم جناب ڈاکٹر عزالدین عراقی، سکریٹری جنرل اسلامی کانفرنس کا شکر گزار ہوں کہ وہ اس تنظیم کو اس کے بنیادی اغراض و مقاصد کی راہ پر قائم رکھنے میں ہمہ تن سرگرم رہے ہیں اور موجودہ سربراہ کانفرنس کی تشکیل میں ہماری ہر ممکن مدد کی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنی بات کی شروعات ان تلخیوں سے کروں جو ہم لوگوں کے درمیان موجود ہیں یا اس شادمانی و خوشحالی کا ذکر چھیڑوں جو ہم لوگوں کے درمیان ہونی چاہئے۔ کیا اس تنظیم کی تشکیل کے بنیادی مقاصد میں یہ بات شامل نہیں ہے کہ ہم لوگ اپنے درد و مصائب کا مشترکہ حل تلاش کریں اور مسلم ملکوں کو اس بلندی و عظمت تک پہونچانے کی کوشش کریں جس کے وہ مستحق ہیں؟ کیا اس عظیم مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے موجودہ صورتحال کو دور گزر کرتے ہوئے اپنے درد و مصائب کا حل تلاش نہ کرنا چاہئے؟ اور دنیا میں کسی درد کا علاج اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک شروع ہی میں اس درد کی مکمل شناخت نہ ہو جائے۔ اگر درد کی صحیح شناخت ہو جائے تو بہتر سے بہتر علاج کی جستجو کی جاسکتی ہے اور بالآخر ٹھوس اور اٹل ارادہ اور لگاتار کوشش کے ذریعہ بڑی کامیابی کے ساتھ درد و مصائب کو دور کیا جاسکتا ہے۔

ہمارا سب سے بڑا درد یہ ہے کہ امت اسلامیہ، جو ایک طویل مدت تک علم و دانش اور تہذیب و تمدن کی علمبردار رہی ہے، آخری چند صدیوں کے دوران غیر معمولی کمزوری و پسماندگی کا شکار ہو گئی ہے اور دنیا میں رائج زرق برق والی تہذیبی قدروں کے مقابلے میں اسے دردناک خجالت و شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا ہے

اور اس بات کا بھی موقع نہیں ملا کہ وہ موجود عالمی تمدن کی نعمتوں اور برکتوں سے بھر پور فائدہ اٹھا سکے۔

ہماری چند صدیوں کی خجالت وشرمندگی در حقیقت اس تہذیب وتمدن کے خاتمہ کا نتیجہ ہے جو ایک زمانہ تک دنیائے بشریت کی پیشانی پر ایک ستارہ کی طرح چمکتی رہی ہے اور موجودہ دور کی تہذیب بھی اس کی مدیون ومرہون منت ہے اور آج بھی اس کے جو اثرات باقی رہ گئے ہیں وہ نہایت ستائش انگیز ہیں۔

موجودہ دور میں گزشتہ تمدن کی مکمل بازیابی وترویج تو فی الحال ممکن نہیں ہے کیونکہ اس کا وقت گزر چکا ہے بفرض محال اگر ممکن بھی ہو جائے تو اب یہ بات مطلوب وپسندیدہ نہیں رہ گئی ہے۔

اگر تمدن انسان کے ان سوالوں کا جواب ہے جو وہ کائنات 'وجود بشر اور انسان کے سلسلے میں خود اپنی ذات سے یا دکیا کرتا ہے نیز اگر تمدن اس کوشش کا نتیجہ ہے جو انسان اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کرتا ہے تو پھر یہ بات پوری طرح واضح اور ثابت ہے کہ انسان سوالات اور ضرورتوں کا مجموعہ ہے اور وقت وحالات نیز زمان ومکان میں تبدیلی کے ساتھ ہی ساتھ اس کی ضرورت اور اس کے سوال میں فطری تبدیلی کا پیدا ہونا یقینی ہے اور کسی بھی تہذیب وتمدن کا ثبات قدم اسی وقت تک ممکن ہے جب تک اس میں بدلے ہوئے حالات میں عصری تقاضوں کو پورا کرنے اور ان کے سوالوں کا جواب فراہم کرنے کی صلاحیت برقرار ہے اور اگر اس میں یہ صلاحیت باقی نہیں رہ گئی ہے تو اس کی نابودی یقینی ہے کیونکہ تمدن ایک بشری اور انسانی کام ہے جس کو ایجاد و تخلیق 'تعمیر وترقی اور خاتمہ ونابودی کی منزلوں سے بہر حال گزرنا ہی پڑتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے زمانہ کے لوگوں کے مسائل و سوالات اور ان کی حاجت وضرورت گزشتہ دور کے لوگوں کے اکثر سوالات اور ان کی ضروریات سے مختلف ہیں۔ مغربی تہذیب وتمدن دنیا کے لوگوں کے سوالات اور ان کی ضروریات کا فطری جواب ہے اور اگر گزشتہ صدیوں کے دورا مغربی تمدن کے مقابلے میں خجالت وشرمندگی کا شکار ہوئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف اسباب وعوامل کی وجہ سے ہم لوگ سوال سے محروم ہو گئے اور جس قوم کے پاس سوال نہیں ہیں اور جو قوم غور وفکر سے محروم ہے اس کو بہر حال خجالت وشرمندگی سے دوچار ہونا ہے اور دوسروں کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے۔

لیکن اہم بات یہ ہے کہ اس بات کی طرف متوجہ ہو جائیں کہ یہ خجالت وشرمندگی 'سستی وکمزوری اور پامالی وپسماندگی ہم لوگوں کی آخری قسمت نہیں ہے اور جو قوم دنیائے بشریت کی تاریخ میں درخشاں ترین تہذیبی روایات اور تمدنی معیاروں کی خالق رہی ہے اس میں دوبارہ تمدن سازی کی قدرت بدرجہ اتم موجود

> جو قوم دنیائے بشریت کی تاریخ میں درخشاں ترین تہذیبی
> روایات اور تمدنی معیاروں کی خالق رہی ہے
> اس میں دوبارہ تمدن سازی کی قدرت
> بدرجہ اتم موجود ہے۔

ہے لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ یہ قوم ذکر وفکر سے مالامال ہو جائے اور ذکر وفکر کا یہ گرانقدر سرمایہ مندرجہ ذیل وسائل کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے۔

۱۔ غیر معمولی غور وفکر کے ساتھ اپنی تاریخی وراثت اور اپنے عظیم الشان ماضی کی طرف واپسی 'جس کا ایک بنیادی حصہ وحی الٰہی سے جڑا ہوا ہے جس میں ہمیشگی اور جاودانگی پائی جاتی ہے اور دوسری طرف یہ تاریخی وراثت ممتاز ثقافتی وسعت کی حامل بھی ہے اور ماضی سے پوری طرح جڑی ہوئی ہے۔

۲۔ دوبارہ تمدن ساز بننے کے لئے دوسری اہم چیز زمانہ کی گہری اور صحیح شناخت ہے اور اس سلسلے میں ہم لوگوں کو اس حقیقت کی طرف بخوبی متوجہ رہنا چاہئے کہ اسلامی تمدن یا بعبارت دیگر مسلمانوں کے تمدن اور ہم لوگوں کی موجودہ زندگی کے درمیان "مغربی تمدن" نام کی چیز حائل ہو گئی ہے جس کی وجہ سے اسلامی تمدن اور عصری مسلمانوں کے درمیان فاصلہ پیدا ہو گیا ہے۔ واضح رہے کہ مغربی تہذیب وتمدن میں موجود مثبت پہلوؤں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے لیکن اس میں غیر مغربی لوگوں کے لئے منفی پہلوؤں کی فراوانی دکھائی دیتی ہے اور ہم لوگوں کا زمانہ دراصل مغربی تہذیب وتمدن کے غلبہ کا دور ہے جس کی شناخت ومکمل معرفت لازمی ہے تاکہ اس تمدن کی ظاہری تزک بھڑک سے متاثر ہوئے بغیر اس کے نظریاتی اور معیاری اصولوں تک رسائی حاصل کی جا سکے۔

پس ہم لوگوں کو اپنے ماضی سے بخوبی واقف وآگاہ رہنا چاہئے البتہ ماضی کی شناخت ومعرفت کا مقصد ماضی کی طرف واپسی یا اس میں توقف نہیں ہے کیونکہ ماضی کی طرف واپسی ہی تو رجعت پسندی ہے اور ارتجاع ورجعت پرستی سے ہمارا کوئی سروکار نہیں ہے بلکہ ہمیں اپنی شناخت کے جوہر کو حاصل کرنے نیز وقت وحالات کے نتیجے میں پیدا ہونے والی عادتوں اور ذہنوں کی پاکیزگی کے لئے اپنے ماضی کا دانشمندانہ تجزیہ کرنا لازمی ہے تاکہ ہم لوگوں کو موجودہ زمانہ میں عزت وعظمت کی اساس حاصل ہو جائے اور اس اساسی محور ومرکز سے ہم ایک ایسے مستقبل کی طرف پرواز کر سکیں جو ہمارے ماضی سے بھی زیادہ درخشاں اور عظیم ہو۔ درحقیقت ہم اپنے اس عظیم مقصد میں اسی وقت کامیاب ہو سکتے ہیں جب ہم انصاف

اور لازمی مہارت کے ساتھ مغربی تمدن کے مثبت سماجی فنی اور علمی تجربوں سے بھرپور فائدہ اٹھاسکیں کیونکہ ہمیں اپنی مطلوبہ منزل مقصود تک پہونچنے کے لئے اس مرحلے سے گزرنا لازمی ہے۔

جی ہاں اگر مسلمان ممالک کی پسماندگی اور شرمندگی کی داستان دردانگیز ہے تو اس سے زیادہ رنجیدہ و پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہم لوگوں کو اچھی طرح معلوم رہنا چاہئے کہ لازمی آگاہی' اٹل ارادہ اور مستحکم اتحاد و ہم آہنگی کے ذریعہ ہی ہم اپنی تقدیر بدل سکتے ہیں اور ان درد و مصائب سے پوری طرح نجات حاصل کرسکتے ہیں۔

اگر ہم لوگ اسلامی نگاہوں سے کام لیں اور مفاہمت سے کام لیتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ رہیں اور اسلامی اخوت و برادری کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ایک دوسرے کی مدد کریں تو ہم لوگ اپنی موجودہ اور آئندہ نسل کو جدید اسلامی تمدن کی طرف لے جاسکتے ہیں اور اس کام کے لئے سب سے پہلے ہم لوگوں کو اپنے ملکوں میں "متمدن اسلامی معاشرہ" کو عملی رنگ و روپ دینا ہوگا۔

ہم اپنے ملک میں جس "متمدن معاشرہ" کی تشکیل و تکمیل کے خواہاں ہیں اور تمام اسلامی ممالک سے جس معاشرہ کی تشکیل کی اپیل کرتے ہیں' اس میں یونان کا فلسفیانہ طرز اور روم کے سیاسی تجربات کی جھلک آج بھی محسوس کی جاسکتی ہے اور جس متمدن معاشرہ نے قرون وسطی سے گزرنے کے بعد نئی دنیا میں اپنی خصوصی شناخت قائم کرلی ہے جو دوسرے تمدن سے بالکل مختلف ہے۔ اگرچہ جملہ حالات و نتائج کے اعتبار سے دونوں کے درمیان لازمی طور پر کوئی فرق و اختلاف نہ ہونا چاہئے تھا لہذا متمدن مغربی معاشرہ کے مثبت پہلوؤں کو قبول کرتے وقت ہم لوگوں کو غفلت ولاپرواہی سے کام نہ لینا چاہئے۔

تاریخی اور نظریاتی اصول و عقائد کے اعتبار سے مغربی معاشرہ' یونانی حکومت اور روم کے سیاسی نظام کا ایک اہم شعبہ معلوم ہوتا ہے جبکہ ہم لوگ جس متمدن معاشرہ کے خواہاں ہیں' تاریخی اور نظریاتی اصول و عقیدہ کے اعتبار سے اس کی جڑیں "مدینۃ النبی" میں پائی جاتی ہیں۔

"یثرب" کو "مدینۃ النبی" میں تبدیل کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک نام کی جگہ دوسرا نام رکھ دیا گیا۔ بالکل اسی طرح "ایام الجاہلیۃ" کو "ایام اللہ" میں تبدیل کرنے کا مطلب صرف نام کی تبدیلی نہیں ہے۔ واضح رہے کہ "مدینہ" فقط خاک و سرزمین نہیں ہے اور "ایام اللہ" سے کوئی مخصوص وقت مطلوب و مقصود نہیں ہے۔

"مدینۃ النبی" اور "یوم اللہ" کے ساتھ دنیا میں ایسی معنوی تاریخ و جغرافیائی حدود کا ظہور ہوتا ہے جو ایک قسم کی ثقافت اور طرز فکر و نقطۂ نظر کا سر آغاز قرار پائی ہے اور آخر کار اسلامی تہذیب و تمدن کی شکل میں منظر عام پر رونما ہوتی ہے۔ یہ ثقافت کائنات اور انسان دونوں کی ابتداء و آفرینش کے سلسلے میں مخصوص نظریہ کی حامل ہے اور اس ثقافت و اس کے مخصوص نظریہ نے صدیوں سے مسلمانوں کے ذہن میں اپنا گھر بنا رکھا ہے اور عصر حاضر میں مسلمانوں کو مشترک وطن کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے درمیان موجود سماجی' جغرافیائی اور قومی فرق و تفاوت اس بات کا باعث بن گیا ہے کہ وہ "جوہر فرد" جو مختلف النوع رنگوں اور غذاؤں کی صورت میں رونما ہو لیکن "مدینۃ النبی" ہم لوگوں کا معنوی مکان اور "یوم اللہ" ہم سبھی لوگوں کی زندگی کا ایک اہم حصہ ہے یا ہماری زندگی کا ایک اہم حصہ ہونا چاہئے۔ درحقیقت سرزمین شرک و ناانصافی سے ہجرت کے نتیجے میں مدینہ کا ظہور ہوتا ہے بالکل اسی طرح جیسے دور جاہلیت سے مکمل جدائی و علیحدگی کے بعد ہی "وقت اور حضور الٰہی" کے مقدس دائرہ میں داخلہ نصیب ہوتا ہے۔

مشترکہ اسلامی وطن میں سکونت اختیار کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رجعت پسندی عصر حاضر کی علمی نعمتوں اور برکتوں کی تردید اور دیگر اقوام عالم کے خلاف صف آرائی و نبرد آزمائی ہو۔ ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ اس کے بالکل برعکس ایک مشترکہ اسلامی وطن میں قیام کے بعد ہم دنیا کی تمام دوسری قوموں کے ساتھ صلح و سلامتی کی زندگی بسر کرسکتے ہیں۔

صلح و سلامتی کی زندگی فقط اسی صورت میں عملی رنگ و روپ اختیار کر سکتی ہے جب انسان دیگر قوموں کی ثقافت، فکری راہ و روش اور صلاحیت و دلچسپی سے بخوبی واقف و آشنا ہو اور دنیا کی تمام قوموں کے ثقافتی اور معنوی وجود کو بخوبی سمجھنے کے لئے یہ لازم ہے کہ ان سے "مذاکرہ و گفتگو" کا اہتمام کیا جائے اور مذاکرہ و گفتگو اسی وقت ممکن ہے جب اس میں شریک طرفین صحیح و سالم اور اپنے حقیقی رنگ و روپ میں موجود ہوں ورنہ مذاکرہ بالکل بے معنی ہو گا اور اس سے کسی خیر یا اصلاح کی امید بھی نہیں کی جا سکتی ہے چنانچہ مشترکہ اسلامی گھر یا وطن یعنی مدینۃ النبی میں مسلمانوں کے قیام یا سکونت پذیر ہونے کا مطلب و مقصد یہ ہے کہ مسلمان اپنی حقیقی شکل و صورت میں آجائیں اور انہیں حقیقی شناخت حاصل ہو جائے۔

ہمارے متمدن معاشرہ میں اگرچہ اسلامی فکر و ثقافت کو کلیدی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے لیکن اس میں انفرادی یا اجتماعی ظلم و ناانصافی، اکثریت کی مطلق العنانی اور اقلیتوں کو نابود اور بے حوصلہ کرنے کی کوشش جیسی کسی چیز کا ہرگز گزر نہیں ہے۔ ہمارے مجوزہ اسلامی سماج میں انسان محض انسان ہونے کی وجہ سے لائق احترام ہے اور اس کے جملہ انسانی حقوق بھی اس معاشرہ کی نظر میں محترم ہیں۔ ہمارے مجوزہ متمدن اسلامی معاشرہ میں زندگی بسر کرنے والوں کو اپنی قسمت کے فیصلے کا پورا حق حاصل ہو گا اور وہ اپنے حاکموں سے ان کے اعمال و افعال کے سلسلے میں باز پرس کرنے کے لئے پوری طرح مجاز ہوں گے۔ اس اسلامی معاشرہ میں حاکم "عوام الناس کا خدمتگزار" ہے ان کا مالک و آقا نہیں بلکہ وہ عوام الناس کے سامنے بہر حال جوابدہ ہے کیونکہ خداوند عالم نے عوام الناس کو یہ حق عطا کیا ہے کہ وہ اپنی قسمت کا فیصلہ خود کریں۔

ہمارا متمدن معاشرہ ایسا معاشرہ نہیں ہے جس میں صرف مسلمانوں کو ایک شہری کے جملہ حقوق حاصل ہوں بلکہ یہ ایسا معاشرہ ہے جس میں حکومتی نظام اور قانون کے دائرہ میں ہر انسان کو اس کے لازمی حقوق حاصل ہیں اور عوام الناس کے حقوق کی حفاظت کرنا حکومت کی مین اور اہم ذمہ داری ہے۔

انسانی حقوق کا احترام اور اصول و قوانین کی پیروی کی بات ہم کسی سیاسی مصلحت کی بنیاد پر یا محض دوسروں کے لب و لہجہ سے تال میل قائم کرنے کے لئے نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ یہ ہماری دینی تعلیم اور مذہبی احکام کا فطری نتیجہ اور نچوڑ ہے۔ حضرت علی علیہ السلام اپنے دور حکومت میں یہ فرمان جاری کرتے ہیں کہ صرف مسلمانوں کے سلسلے میں نہیں بلکہ تمام لوگوں کے سلسلے میں عدل و انصاف کے اصولوں کی پیروی کی جائے۔ "فانہم صنفان: اما اخ لك فی الدین او نظیرلك فی الخلق"

ہمارا متمدن اسلامی معاشرہ نہ تسلط گر ہے اور نہ تسلط پذیری کو پسند کرتا ہے یعنی ناجائز دباؤ ڈالنا اور دوسروں کے ناجائز دباؤ کو قبول کرنا دونوں ہی ناپسندیدہ امر ہیں اور قوموں کو یہ حق عطا کرتا ہے کہ وہ اپنی قسمت کا فیصلہ خود کریں اور شرافتمندانہ زندگی بسر کرنے کے لئے لازمی وسائل و امکانات حاصل کرنے کے لئے پوری طرح آزاد ہوں۔ یہ اسلامی معاشرہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کے سامنے سر نہیں جھکاتا ہے اور اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی غرض سے حکم قرآن کریم کے مطابق، مادی و معنوی ترقی کے جملہ وسائل و امکانات کی فراہمی کو اپنا فریضہ تصور کرتا ہے اور تسلط گری و تسلط پذیری کی تردید یعنی دنیا کے ملکوں کے درمیان باہمی روابط کے میدان میں جھوٹ اور طاقت کے استعمال کی تردید کرتا ہے اور اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ بین الاقوامی روابط میں منطق اور احترام باہم جیسے اہم اور بنیادی اصولوں کی جگہ پر طاقت اور مکر و فریب کا استعمال کیا جائے۔

ہم جس متمدن اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں سرگرم عمل ہیں وہ ہماری "اجتماعی شناخت" پر مبنی ہے اور اس کو حاصل کرنے کے لئے مفکرین اور دانشمندوں کی لگاتار کوشش لازمی ہے۔

ہم جس متمدن اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں سرگرم عمل ہیں وہ ہماری "اجتماعی شناخت" پر مبنی ہے اور اس کو حاصل کرنے کے لئے مفکرین اور دانشمندوں کی لگاتار کوشش لازمی ہے۔ یہ اچانک مل جانے والا خزانہ نہیں ہے بلکہ حیات و معنویت کا ایسا چشمہ ہے جس کو ہمہ وقت ابلتا رہنا چاہئے پس اس سے آہستہ آہستہ ہی استفادہ بھی اسی وقت ممکن ہے جب ہمیں مسلمانوں کی فکری و اعتقادی روایات اور ان کی گرانقدر ثقافتی میراث کا قدرے اندازہ ہو اور دوسری طرف ہم فلسفیانہ اور علمی اعتبار سے موجودہ دنیا سے بخوبی واقف و آگاہ بھی ہوں اور اسی وجہ سے قوم کے مفکرین اور دانشمند افراد ہی اس تحریک کے بنیادی محور و مرکز کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس راہ میں ہماری توفیق و کامیابی اس بات سے جڑی ہوئی ہوگی کہ سیاست کو فکر و فضیلت کا خادم قرار دیا جائے نہ کہ سیاست ان دونوں کو اپنے دائرہ میں محصور و محدود کرے۔

جو باتیں عرض کی گئی ہیں وہ محض خیال پردازی نہیں تھی بلکہ اس مقصد کی نشاندہی مقصود تھی جس تک پہنچنا ممکن ہے اور اس مقصد تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرنا ہم سبھی لوگوں کا فریضہ ہے۔

ہمارا اعتقاد و ایمان ہے کہ ایران میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے ساتھ اس روشن راستہ پر آگے بڑھنے کا کام شروع ہو چکا ہے اور ہماری قوم مکمل سکون و اطمینان اور مسائل و مشکلات کے مقابلے میں مکمل ثابت قدمی کے ساتھ اندرونی رجعت پسندانہ رکاوٹوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اس راہ پر آگے بڑھتی چلی جا رہی ہے اور اسے اس راہ میں آنے والی اندرونی رکاوٹوں کے علاوہ بیرونی سازش اور غیر معمولی سیاسی و اقتصادی دباؤ کا بھی سامنا کرنا پڑا ہے پھر بھی وہ اپنی راہ پر گامزن ہے اور ہر حال میں بالخصوص موجودہ حالات میں ملت اسلامیہ عالم دنیا کی حکومتوں نیز ان تمام غیر مسلم حکومتوں کی طرف تعاون و دوستی کا ہاتھ پھیلائے ہوئے احترام کے اصول کے پابند ہیں۔

تامل و تفکرات کائنات میں جدوجہد اور تدبیر و کوشش اور دنیا کی قوموں سے پند و نصیحت حاصل کرنے پر اس قدر تاکید کی گئی ہو؟ ہر طرح کے قومی، نسلی، زبانی اور مذہبی اختلافات کے باوجود قرآن کریم ہمارے درمیان وحدت و اتحاد کا وسیلہ اور ہم لوگوں کے درمیان باہمی ارتباط و تعلقات کی مضبوط رسی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ہم اس قدر و منزلت کو سمجھیں اور جمود و عادت پرستی اور دوسری طرف دوسروں کے سامنے خود سپردگی سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے نہایت غور و فکر کے ساتھ قرآن مجید سے رجوع کریں اور اپنی حالیہ و آئندہ زندگی کے افق کو اس کے مثالی نور سے منور کر لیں۔

موجودہ اجلاس کی مناسبت سے اس کانفرنس میں شریک محترم سربراہوں کی خدمت میں مسلمان ممالک کے اہم ترین موضوعات و مسائل کے سلسلے میں اپنی بات کو اجمالی انداز میں پیش کرتے ہوئے اسلامی کانفرنس تنظیم سے بھرپور تعاون کا طالب ہوں تاکہ مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے موثر اور عملی قدم اٹھایا جا سکے۔

ہم لوگوں کو بڑی ہوشیاری سے کام لینا چاہئے کہ مسلمانوں کی اقتصادی و ثقافتی اور سیاسی موجودیت کے خلاف روزافزوں دھمکیاں، ہماری سلامتی کے لئے بہت بڑا خطرہ ہیں۔

خداوند عالم نے ہم مسلمانوں کو جس عزت و احترام سے سرفراز کیا ہے اس کی بحالی و بازیابی کے لئے نیز موجودہ دنیا میں اپنا جائز حصہ حاصل کرنے کے لئے لازمی طاقت کی فراہمی کی خاطر اور نو تشکیل شدہ عالمی تمدن میں اپنی عملی اور سرگرم شرکت کے لئے ہم مسلمانوں کو کم از کم دو اہم اور بنیادی چیزوں کا اہتمام کرنا ہوگا ایک عقل و فکر اور دوسری اہم چیز اتحاد و ہمبستگی ہے' غور طلب بات یہ ہے کہ کیا ان دو انتہائی گرانقدر چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے پیغمبر اکرم کی عظیم میراث قرآن کریم سے زیادہ اہم و موثر کوئی دوسری چیز ہو سکتی ہے؟ دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ قرآن کریم کے علاوہ دنیا میں ایسی کونسی دوسری کتاب موجود ہے جس میں غور و فکر'

۱۔ عادلانہ جدید عالمی نظام:

اپنی مرضی اور مطالبات کو ساری دنیا پر مسلط کرنے کے لئے دنیا کی تنہا بڑی طاقت امریکہ کے ماہرین سیاست اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ ساری دنیا امریکی مفاد کے لئے کام کرے۔ گزشتہ دو قطبی نظام کے خاتمہ کے بعد آج عالمی روابط اور دنیا' تاریخ کے نئے مرحلہ سے گزر رہی ہے اور ہمارا خیال ہے کہ آج سے دنیا میں اکثریت پسندی کے اصول کی بنیاد پر ایک نیا عالمی نظام ابھر کر سامنے آ رہا ہے اور خداوند عالم کی مدد سے یہ نظام کسی بڑی طاقت پر منحصر ہونے والا نہیں ہے۔ جو چیز ہم اسلامی ملکوں کے لئے اہمیت کی حامل ہے' وہ یہ کہ ہم ہر قسم کی توسیع پسندی کا

جو چیز ہم اسلامی ملکوں کے لئے اہمیت کی حامل ہے وہ یہ کہ ہم ہر قسم کی توسیع پسندی کا ڈٹ کر مقابلہ کریں اور اس بات کی بھرپور کوشش کریں کہ جدید عالمی سیاسی نظام کی تشکیل اور عالمی روابط کے میدان میں ہم اپنی مناسب جگہ بنا لیں لیکن اس کام کے لئے تمام اسلامی ملکوں کے درمیان مفاہمت، باقاعدہ منصوبہ بندی اور مشترکہ کوشش لازمی ہے۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی ضروری ہے کہ تمام اسلامی ممالک اپنی حیثیت نیز اپنے وسائل وامکانات کا بھرپور تجزیہ کریں اور اپنے اردگرد کے ماحول کا محققانہ اندازہ لگانے کے بعد دیگر ملکوں کے ساتھ سیاسی ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے ہر ممکن داخلی وسائل وامکانات کا استعمال کریں تاکہ عالمی سطح پر ہونے والے فیصلوں میں وہ اپنی موجودگی کو موثر بنا سکیں ابتدائی مرحلہ میں ہم لوگوں کو مشترکہ میراث ومفاد کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ہر شعبے میں مذاکرہ وگفتگو کرنی چاہئے تاکہ نظریاتی اعتبار سے ہم لوگوں کے درمیان قربت ونزدیکی پیدا ہو سکے اور اس کے بعد ان مشترکہ امکانات کو تمام ممالک کے فائدہ کے لئے کارآمد انداز میں استعمال کیا جا سکے۔

۲۔ علاقائی اور عالمی سطح پر صلح وسلامتی:

دنیا میں جدید انسانی نظام کی تشکیل میں اسلامی دنیا کی تاریخی رسالت کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے مشترکہ کوشش کے اصول کے مطابق تمام ملکوں کے لئے یہ لازمی ہے کہ وہ عالمی صلح وسلامتی کو قائم رکھنے کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ بھرپور تعاون کریں۔

دنیا میں پائدار صلح وسلامتی قائم رکھنے کے لئے یہ لازمی ہے کہ ایک فرضی اور من گڑھت خارجی دشمن کے وجود پر مبنی سرد جنگ کی پالیسی سے دوری وعلیحدگی اختیار کی جائے۔ افسوس کی بات ہے کہ دنیا میں بعض وسعت طلب گروہ اسلام کے بارے میں ایک خیالی دشمن کی تخلیق میں لگے ہوئے ہیں یعنی وہ دنیا کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اسلام ایک خطرناک دشمن کا روپ اختیار کر سکتا ہے لہذا یہ ہم تمام اسلامی ملکوں کا فریضہ ہے کہ بھرپور اور موثر باہمی تعاون کے ذریعہ ہم علاقائی اور عالمی صلح وسلامتی کو قائم رکھیں اور عالمی وعلاقائی سطح پر لوگوں کے اعتماد کو بحال رکھتے ہوئے، دشمنوں نے اسلام کے سلسلے میں لوگوں کے ذہنوں میں جو بدگمانی پیدا کر رکھی ہے، اس کو اپنے عمل کے ذریعہ غلط اور بے بنیاد ثابت کر دیں۔

ہم لوگوں کو بڑی ہوشیاری سے کام لینا چاہئے کہ مسلمانوں کی اقتصادی ثقافتی اور سیاسی موجودیت کے خلاف روزافزوں دھمکیاں، ہماری سلامتی کے لئے بہت بڑا خطرہ ہیں اور امت اسلامیہ کی اعتقادی اور تاریخی شناخت کے خلاف دھمکیوں کی وسعت نے، جو ثقافتی حملات کی شکل میں باقاعدہ منظر عام پر آچکی ہے، ہم لوگوں کو انتہائی حساس موڑ پر کھڑا کر دیا ہے اور اس بنیادی خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے ہم لوگوں کے درمیان غیر معمولی اتحاد وہم بستگی کی ضرورت ہے لہذا ہم لوگوں کے درمیان کوئی بھی اختلاف اس لازمی اتحاد کی راہ میں رکاوٹ نہ بننا چاہئے۔

البتہ آج دنیا ایک دوسرے سے اتنا قریب آچکی ہے کہ دنیا کے مختلف علاقوں کی سلامتی کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا ہے لہذا باہمی اعتماد پیدا کرنے اور صلح وسلامتی کو قائم رکھنے کی کوشش درحقیقت وقت کی اہم ترین ضرورت بنتی جا رہی ہے۔ انسانی روابط کی ترقی میں "اطمینان سازی" کے اصول کو بنیاد قرار دیتے ہوئے سلامتی کی تشکیل وبحالی کی راہ میں پہلا قدم اٹھانا چاہئے نیز ممالک کے درمیان باہمی اعتماد کی فضا ہموار کرنا اور غلط فہمیوں کو دور کرنا اسلامی ممالک کے درمیان دوطرفہ تعلقات کی بنیاد اور اسلامی کانفرنس تنظیم کے منصوبے کا اہم حصہ ہونا چاہئے۔

اس سلسلے میں تہذیبوں اور ثقافتوں کے درمیان مذاکرہ وگفتگو کی زمین ہموار کرتے ہوئے صاحبان فکر ونظر کو مرکزی حیثیت دینی چاہئے اور بنیادی مفاہمت کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے ایسی حقیقی صلح کی کوشش کرنی چاہئے جس میں تمام اقوام کے جائز حقوق محفوظ ہوں اور لوگوں کے ذہن میں جو غلط فہمیاں ہیں وہ دور ہو جائیں۔

اس وقت دنیا کو صلح وسلامتی کی ضرورت ہے اور یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اگر صلح عادلانہ اور شرافتمندانہ بنیادوں پر قائم نہ ہوئی تو ہرگز پائدار نہ ہوگی۔ تاریخ گواہ ہے کہ عدل وانصاف اور عوامی مطالبات کو نگاہ میں رکھے بغیر دنیا میں کوئی بھی صلح کامیاب نہیں رہی ہے جیسا کہ مشرق وسطی کے بحران نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ صلح فلسطینی عوام کے جملہ جائز حقوق کی فراہمی مثلاً انہیں اپنی قسمت کے فیصلے کا حق، آوارہ وطن فلسطینیوں کی واپسی، مقبوضہ علاقوں مثلاً بیت المقدس کی آزادی وغیرہ کے ساتھ ہی اس علاقے میں مستحکم وپائدار صلح قائم ہوگی۔ سچ تو یہ ہے کہ صہیونی حکومت کی غنڈہ گردی، جنگ پسندی اور نسل پرستی کے دوام کا بنیادی سبب موجودہ بین الاقوامی قوانین میں موجود خرابی اور کمی ہے۔ سرکاری دہشت گردی، مہلک وانسانیت کش اسلحوں کی بھرماری اس علاقے کی صلح وسلامتی کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے۔

خلیج فارس جیسے اہم اور حساس علاقے میں بھی علاقائی ملکوں کو ہی امن وسلامتی قائم رکھنے کی ذمہ داری قبول کرنی چاہئے۔ ہمارے عقیدہ کے مطابق اس حساس علاقے میں بیرونی افواج اور فوجی بیڑے کی موجودگی نہ صرف یہ کہ ناامنی اور عدم سلامتی کا باعث ہے بلکہ اس کی وجہ سے علاقے کے پرامن ماحول کو محفوظ رکھنے میں طرح طرح کی پریشانیوں اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

عزیز پڑوسی ملک افغانستان میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ بھی ایک عظیم انسانی حادثہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس ملک کے موجودہ حالات صرف یہ کہ بیرونی طاقتوں کو اس ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی دعوت دیتے ہیں جس کی وجہ سے پورے علاقے کی سلامتی کے لئے خطرہ پیدا ہو سکتا ہے لہذا تمام مسلم ممالک اور اسلامی کانفرنس تنظیم کو اس بات پر زبردست زور دینا چاہئے کہ مسئلہ افغانستان کا فوجی حل نہیں ہے بلکہ اس دردانگیز مسئلہ کو حل کرنے کے لئے پہلے خانہ جنگی میں ملوث گروہوں کے درمیان مذاکرہ و گفتگو کا اہتمام کیا جائے اور اس کے بعد ملت اسلامیہ افغانستان کی مرضی کے مطابق اس کا آخری حل تلاش کیا جائے۔ اسلامی کانفرنس تنظیم سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ جنگ میں ملوث تمام افغانی جماعتوں کے درمیان مذاکرہ و گفتگو کا اہتمام کرتے ہوئے اس ملک کو صلح وسلامتی کی طرف پیش قدم ہونے کا موقع فراہم کردے۔

شمالی عراق کے حالات بھی یقیناً پریشان کن ہیں۔ ہم عراق سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اقوام متحدہ کے ساتھ لازمی تعاون کرے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ہمارا یہ خیال ہے کہ بیرونی مداخلت اور بالخصوص شمالی عراق میں رونما ہونے والی جنگ کی وجہ سے لاکھوں امن پسند عراقی عوام آوارہ وطن ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے علاقائی امن وسلامتی کے لئے بہت بڑا خطرہ لاحق ہو چکا ہے۔ ہم عراق کی جغرافیائی حدود کی حفاظت پر زور دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ علاقہ کے اس اہم ملک میں انسان دوستی کی بنیاد پر کسی بھی اقدام کی تکمیل کے لئے اپنی مکمل آمادگی کا اعلان کرتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ ہمارے علاقہ کے اردگرد بیگانوں بالخصوص اسرائیل کے اثر ورسوخ کا خطرناک منصوبہ یقیناً نہایت پریشان کن ہے اور اس صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے علاقہ کے تمام ملکوں کا بڑی ہوشیاری سے کام لینا ضروری ہے۔ ہم مرکزی ایشیائی ممالک وقفقاز کی خوداعتمادانہ وسرگرم موجودگی کو بہت غنیمت خیال کرتے ہیں کہ وہ آزادی واستقلال کے ساتھ ترقی وخوشحالی اور دنیائے اسلام کی عزت افزائی کی راہ پر پیش قدم ہیں۔ اس موقع پر میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ دوست وبرادر ملک تاجکستان میں صلح کی روش کا استقبال کرتے ہوئے صدر جمہوریہ جناب رحمان اف اور قومی مصالح کمیشن کے سرپرست جناب عبداللہ نوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے صلح کے قیام میں غیر معمولی تعاون کیا۔ اسلامی جمہوریہ ایران پڑوسی ملک تاجکستان میں صلح وسلامتی کو مضبوط بنائے رکھنے کے لئے اسلامی کانفرنس تنظیم سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس ملک میں قومی اختلافات کی روک تھام اور صلح کی تقویت کے لئے ہر ممکن کوشش سے قطعی دریغ نہ کرے۔

آج دنیا کے اکثر اسلامی ممالک بیگانہ سازشوں کی وجہ سے مختلف النوع داخلی اختلافات میں گرفتار ہیں لہذا ایسے موقع پر اسلامی کانفرنس تنظیم اور بالخصوص تمام مسلمان ممالک کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ان ممالک کے مفاد ومصالح اور ان کے استقلال نیز مسلمان قوموں کے ارادہ ومطالبات کے احترام کا اعلان کریں۔ اس کے علاوہ اسلامی کانفرنس تنظیم ایسی راہ وروش اختیار کرے کہ دنیا کے تمام مسلمان اور غیر مسلم ممالک کی مسلم اقلیتوں کو بھی یہ محسوس ہو سکے کہ ان کا کوئی حامی وطرفدار موجود ہے۔

بہرحال ہم لوگوں کو ایسے تمام خفیہ اور اعلانیہ افراد وعناصر سے ہوشیار رہنا چاہئے جو ہماری سلامتی کے لئے خطرہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ہمارا تو یہ خیال ہے کہ اسلامی ممالک ذہانت وفراست اور رشد وبلوغ کی اس منزل پر پہونچ چکے ہیں کہ باہمی مفاہمت اور مشترکہ معاہدوں کے ذریعہ وہ اپنی اور اپنے علاقے کی صلح وسلامتی کی حفاظت کا انتظام خود ہی کرلیں۔ اسلامی جمہوریہ ایران علاقائی صلح وسلامتی کی حفاظت کے سلسلے میں خلیج فارس کے علاقے میں واقع ملکوں کے درمیان تعاون پر زور دیتے ہوئے یہ اعلان کرتا ہے کہ خلیج فارس میں واقع ملکوں کے درمیان تعاون کے ذریعہ ایک ایسے پرامن نظام کی ایجاد کی جاسکتی ہے جو علاقہ میں پائدار صلح کا محافظ ہو اور علاقائی ملکوں کے مشترکہ مفاد ومصالح کا دفاع بھی کرے۔

۳۔ اسلامی ممالک کی مستحکم، متوازن اور ہمہ جہتی ترقی:

اسلامی معاشروں کی سلامتی و ثابت قدمی کی حفاظت اور مسلمان قوموں کی عزت اور اسلامی ممالک کے استقلال کو پائدار کرنے کے لئے ترقی ایک دوسرا اہم وسیلہ ہے۔ واضح رہے کہ ہماری نظر میں پسندیدہ ترقی وہ ہے جو ہمہ جہتی، مستحکم اور متوازن و پائدار ہو اور جس میں انسانی زندگی میں مادی و معنوی نعمتوں کو حاصل کرنا اس ترقی کا بنیادی مقصد ہے۔

اس ترقی کو حاصل کرنے کے لئے ابتدائی مرحلہ میں دنیائے اسلام کے نمونوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ہم لوگوں کو مناسب نمونوں کی تلاش کرنی چاہئے اور اس حقیقت سے بخوبی واقف و آگاہ رہنا چاہئے کہ دنیا کا کوئی ملک بذات خود اس ترقی کے تمام مراحل کو حاصل کرنے کی طاقت و صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔

اگر اسلامی ممالک اپنی تمام صلاحیتوں کا دقیق علمی مطالعہ کریں اور زنجیر کی کڑیوں کی طرح ان میں سے ہر ایک اپنی مخصوص صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ترقی کی راہ پر آگے بڑھنے کی کوشش کرے اور یہ تمام مسلم ممالک اپنی خدا داد دولت و ثروت کا صحیح تقسیم کے ساتھ نیز اپنی دانش افزوں و فن آور انسانی طاقت اور باہمی تعاون اور علمی و فنی اقتصادی اور تحقیقی شعبوں میں باہمی تبادل سے کام لیتے ہوئے آگے قدم بڑھائیں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ اور آئندہ دنیا میں دنیائے اسلام بذات خود اقتدار و ترقی اور عظمت و شکوہمندی کا ایک اہم قطب ہوگی۔

اگر دینی تعلقات، معنوی قربت و نزدیکی اور اسلامی ممالک کے درمیان مشترکہ ثقافتی میراث و باہمی تعاون و علمی و اقتصادی و سیاسی و فنی و ثقافتی تبادل کے ذریعہ فروغ دیا جائے تو مادی اور معنوی ستونوں پر مشتمل ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل عمل میں آجائے گی جو ترقی و خوشحالی اور امن و سلامتی سے مالامال ہوگا اور یہ معاشرہ سب کی مجموعی ترقی و سلامتی کی ضمانت ہوگا۔

۴۔ اسلامی کانفرنس تنظیم کے کردار کا تجزیہ:

مجموعی اعتبار سے بنیادی مقاصد کے ذیل میں شرکت، گفتگو اور دنیائے اسلام میں سلامتی و ترقی کے عنوان سے اب تک جو کچھ کہا گیا ہے اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ایک سب سے بڑے عالمی اسلامی ادارہ کی حیثیت سے اسلامی کانفرنس تنظیم کو اہم کردار ادا کرنا ہے۔ انسانی روابط کی تشکیل میں مذہب کی طرف عام اور مذہب اسلام کی طرف بڑھتے ہوئے خصوصی رجحانات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے عالمی مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسلامی کانفرنس تنظیم سے یہ امید رکھیں کہ وہ عالمی سطح پر ان کی عالمی اور انسانی ضرورتوں کو پورا کرنے میں نمایاں خدمت انجام دے۔

اسلامی کانفرنس تنظیم تیس سالہ موثر و کار آمد تجربات اور تمام لازمی وسائل و امکانات سے مالامال ہونے کی وجہ سے بین الاقوامی سطح پر اپنی موجودگی کا مظاہرہ کر سکتی ہے لہٰذا فطری طور پر ہم لوگوں کو ایسے نئے طریقہ کار کی فکر کرنی چاہئے جس کے ذریعہ ہم اس تنظیم کے ڈھانچے کو اور زیادہ مضبوط اور اس کے فیصلوں کو اور زیادہ موثر و کار آمد بنا سکیں۔

موجودہ حالات میں اسلامی کانفرنس تنظیم سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ عالمی توازن بالخصوص ممبر ممالک کے درمیان موجودہ اختلافات اور بحرانات کا حل تلاش کرنے میں موثر اور اہم کردار ادا کرے گی۔ اس کے علاوہ اس تنظیم کو بوسنیا کے شریف و مظلوم و بے سہارا عوام کے حقوق کی حمایت و حفاظت اور اکثر عالمی مسائل سے متعلق تنظیم کے واضح موقف کے سلسلے میں نئے قدم اٹھانے ہوں گے۔ اسلامی معاشروں اور غیر ممبر ممالک کی مسلمان اقلیتوں کے حقوق و مصالح و مفاد کی لگاتار عملی حمایت و حفاظت اور مسئلہ کشمیر جیسے ان کے اہم ترین مسائل کے حل کی تلاش میں تعمیری شرکت اس تنظیم کے لئے نہایت اہم اور ضروری ہے۔

ہم سبھی لوگوں کو اسلامی کانفرنس تنظیم کی بھرپور مدد کرنی چاہئے تاکہ یہ تنظیم مزید وضاحت اور فیصلہ کن انداز میں اسلامی دنیا کے داخلی اختلافات کا مشفقانہ حل تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ اس کے علاوہ مالی اور سیاسی اعتبار سے بھی اس تنظیم کی زیادہ سے زیادہ مدد کی جانی چاہئے تاکہ اس کو اپنے فرائض کی ادائگی میں کوئی دشواری نہ پیش آئے۔

اس اجلاس میں شرکت کی غرض سے آئے ہوئے جملہ عزیز مہمانوں کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ موجودہ عظیم الشان اجلاس کی کامیابی نیز اسلامی کانفرنس تنظیم کے لئے مزید کامیابیوں کی آرزو کے ساتھ میں اپنی بات کو اسی جگہ تمام کرتا ہوں۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔